وداعا .... أيتها الأكمة !

MOHAMED KUTTY P. Final M. A (Arabic)

أذكر ذلك اليوم جيدا . قصدت مع الصباح إلى غايتي
؛ تلك الأكمة . وكانت الشمس قد أخذت تطل من
ها مشرقة كأنها تضحك ؛ فخيل إلى أنها تدعوني إلى
ا وتمد يديها لتضمني ألى صدرها .

رت بضع دقائق فاذا أنا على رأسها كأني في وسط
ن رياض الجنة . وهي مركز من مراكز الثقافة
ع من مجامع الطلاب وكلية من كليات كيرلا . وصلت
بقلب خال ويد خالية ، وليس لي أنيس ولا صديق إلا قلمي
ابي . وبعد لأي أخذت أتعرف إلى بعض الشركاء والر
ولم يبق لي أن أعرف بعد أيام إلا قليلا من الطلاب.
مضت الأيام فصارت شهورا ثم أعواما ومضت الكلية
كل عام فريقا من الطلبة وأصبح فريق مثلهم كذلك
كل عام ؛ يغدون إليها بأيديهم وأقلامهم ودفاترهم
م خالية ، فيروحون إلى بيوتهم ودفاترهم مملوءة
بة وعقولهم ممتلئة بالعلوم والفنون وصاروا هم
كرمين . وكل سنة تستقبل هي الطلاب زائرين
دعهم ضيوفا رحلا وقد افتلذ كل واحد من
لذة ، فأصبحت هذه الكبد الخرقاء ممزقة مبعثرة
ع البلاد ؛ ولم يبق لها إلا دماء قليلة منها فهي لا
تعرف كيف ترضى المتخلفين بهذه الكبد الخرقاء !

ويصبح الصباح ويمسي المسآء ، وتطلع الشمس وتغرب ، ويختلف الليل والنهار ، والصيف والشتآء ، وتولد الحيوانات وتموت كل شيئ يجري في نظام أي نظام .... انظر إليها فقد ترعرعت أعضاؤها وصارت جميلة فاتنة ! وقد تزينت اليوم بأبهى زينة على غير عادة منها فلبست إزارها الأخضر وقميصها الأصفر ورداءها الأزهر وظلت تطل على من يدنون منها كأنها عروس حسناء تشرق من نافذة قصرها !

مضت أيام وتلتها أخرى فنظرت واذا هي استحالت إلى سنوات خمس وحصلت خلالها ماحصلت وتعلمت ما تعلمت وتعرفت بمئين كثيرة في أثناء هذه المدة القصيرة . فهذه ساعة الوداع لهذه الأكمة . لكن .... كيف الوداع ! وماهي ألفاظه ! لا أعرف شيئا منها . وإن كنت أعرف فلا أكاد أنطقها ! ولقد عقد الحزن لساني وجمد الدم في عروقي . ويا لهذا الفراق !

أيتها الأكمة ! ما أخلقك بجزيل شكري على أنك صُغتِني في قالب المروءة والثقافة وأرضعتني بالعلم والمعرفة

(والباقي في الصفحة الرابعة)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

مدیر و مصنف
سید قدرت اللہ

ہو گر جوشِ طلب عزم تجسس کامل ؎ خود بخود بڑھ کے قدم لے گی ہماری منزل

الحمدللہ فاروق کالج جشنِ سیمیں کے بعد اپنی قدیم روایات کے مطابق راہ ترقی پر اور تیزی سے گامزن ہو گیا۔ اس کا سیمیں سویرا اپنے مستقبل کے جمال درخشاں کی جھلکی کھا رہا ہے۔ جہاں اسکی دلکش عمارتیں جبینانِ نور کا دامن بنی جا رہی ہیں۔ وہیں اسکے مختلف تعلیمی شعبوں کی کہکشاں زار وسعت مہ رویانِ دانش کیلئے جلوۂ صد رنگ بنی جا رہی ہے اور یہ مجلس روضۃ العلوم کی کرشمہ سازی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ روضۃ العلوم کا ہر رکن رکین فاروق کالج کی خیرہ کن چمک دمک پر قانع نظر نہیں آتا اور سمجھتا ہے کہ ؎ ابھی پھوٹے ہیں شگوفے ابھی کمسن ہے بہار۔

اور فاروق کالج کے چاند ستاروں کو للکار رہا ہے ؎ بڑھے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

پھر اپنے معاصر اداروں میں اس درسگاہ کو علامہ اقبال کا وہ پیغام پیش کر رہا ہے جو راقم الحروف کا نظریۂ حیات ہے۔

مقام ہم سفروں سے ہو اس قدر آگے
کہ سمجھے منزلِ مقصود کارواں مجھ کو

[illegible]ق کالج کی سرفرازی میں موجودہ پرنسپل پروفیسر کے۔ اے۔ جلیل صاحب (سلامت باد نا دیر) کی انتھک اور پیہم جد و جہد بھی خاص اہمیت رکھتی ہے کسی ادارے کے اہتمام میں ان جیسی کامیاب شخصیت بہت کم یاب ہوتی ہے اِس دانشکدہ کو چار چاند لگانا ان کا مقصدِ حیات ہے اللہ رب العزت انہیں سلامت رکھے اور اس ادارے کو ہر مصیبت سے بچائے آمین ثم آمین۔

فاروق کالج میں شعبۂ اردو کو جنم لئے پچیس سال کا ایک طویل عرصہ گذر گیا۔ اسکی حیات کا عشرۂ اول و ثانی طفولیت میں رہا بلکہ یہ شعبۂ عہدِ شیر خواری میں ہی رہا عشرۂ ثانی کے بعد طلباء کی تعداد میں سال بہ سال اضافہ ہوتا گیا اور شعبۂ اردو اپنی ترقی کے کئی مرتبہ حسین خواب بھی دیکھتا رہا مگر امسال نصف آخر میں جب اطلاع ملی کہ بعونہ تعالیٰ ایک اور استاد کے تقرر کی اجازت مل گئی ہے۔ دل مچل گیا نہایت ہی شادماں و فرحاں سجدۂ شکر ادا کیا کہ خواب کی تعبیر حقیقت کے روپ میں نظر آ رہی ہے ؎ اے فرطِ شوق آج بچھا دوں نظر کو میں۔

محترمہ صفیہ بی یم، اے۔ بلچری کا انتخاب ہوا۔ کیرلا مسلم خواتین میں یہ شاید پہلی اور تنہا اردو پوسٹ گریجویٹ ہیں جو کیرلا میں اردو کی اشاعت و توسیع اپنا فریضۂ حیات سمجھتی ہیں۔ سالِ رواں میں حلقۂ مطالعۂ اردو کا افتتاح پروفیسر قیوم صادق صدر شعبۂ اردو گورنمنٹ کالج ہاسن (ارناکلم) کے مبارک ہاتھوں سے ہوا جسکی صدارت مولانا ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی صدر شعبۂ عربی کالی کٹ یونیورسٹی نے کی۔ ہمارے پرنسپل کے ساتھ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کالی کٹ کا کشمیری وفد بھی مہمان خصوصی کے طور پر شریک رہا جس سے جلسے کی کامیابی میں چار چاند لگ گئے۔

حسبِ معمول امسال بھی اردو مضمون نگاری کا مقابلہ ہوا۔ کامیاب طلباء کو انعامات دئے گئے۔ روضۃ العلوم کی علم نوازی سے فاروق کالج کے کئی علمی شعبوں میں توسیع ہوئی اور ہوتی جا رہی ہے انکے اردو نواز جذبات سے توقع ہے کہ وہ شعبۂ اردو کو بھی اور شعبوں کی طرح پھلنے پھولنے کے وسائل فراہم کرینگے۔

ہمارا ضبط و تحمل تو تم نے دیکھ لیا ؎ ہمارے عزم و ارادے پر بھی نظر ڈالو

لہرِ تبسم

ماخوز

بہ ترمیم خفیف

۱- خالی رکشہ

پروفیسر :- (نوکر سے) جاؤ ایک خالی رکشہ لے آؤ

نوکر پسینہ سے شرابور واپس آتا ہے اور کہتا ہے۔

جناب! کوئی خالی رکشہ نہیں ملا۔ ہر رکشہ میں کم از کم ایک آدمی (ڈرائیور) تو ضرور بیٹھا ملتا ہے۔

۲- بیک ٹائی

انگریز :- (ہندوستانی سے) اس دھوتی کو تم پیچھے سے اڑس لیتے ہو، اس اڑسنے کا نام کیا ہے؟

ہندوستانی :- (انگریز کی نکٹائی پکڑ کر) پہلے تم اس کا نام بتاؤ؟

انگریز :- اسے نکٹائی کہتے ہیں

ہندوستانی :- اس اڑسن کو بیک ٹائی کہتے ہیں۔

۳- عینک

آدھی رات میں ملا نصیرالدین نے اپنی بیوی کو جگا کر فوراً عینک طلب کی

بیوی :- (عینک دیتے ہوئے) اس وقت عینک کی کیا ضرورت ہے؟

ملا نصیر :- ابھی ابھی ایک بہت دلکش خواب دیکھ رہا تھا لیکن کئی مقامات پر بہت اندھیرا تھا اور چیزیں اچھی طرح نظر نہ آتی تھیں، سوچا عینک لگاؤں تاکہ سب چیزیں اچھی طرح دیکھ سکوں۔

امامت

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست
زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے

دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

فتنۂ ملتِ بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

علامہ اقبال

حسین موڑ

عزیز چیف آفسر تھا۔ ہمیشہ وقت سے پہلے آفس آتا اور مقررہ وقت سے بہت دیر بعد آفس سے نکلتا تھا۔ دفتری کاموں سے اسکی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ یہ گھر سے زیادہ آفس کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ کام کی فراوانی اور ذمہ داریوں کی زیادتی سے اسکے جذبات تیز اور حوصلے بلند ہوتے جاتے تھے مگر گھر کی یاد سے اس کا دل بیٹھ جاتا تھا۔ سوتیلی ماں کی آتش بیانی سے اسکی زندگی جھلس جاتی تھی اور سو بھائی بہنوں کا بدترین سلوک اس کے ناسور غم پر نمک پاشی سے کم نہ تھا۔ لہٰذا عزیز کو گھر سے زیادہ آفس میں سکون ملتا تھا۔

ناز کو آفس آئے ہوئے پانچ ماہ کا عرصہ ہوا تھا۔ دفتر کے کل افراد اسکے حسن و ادا سے مسحور ہو چکے تھے۔ آفس میں قد رکھتے ہی اس کے تبسم ریز خیر مقدم سے کیف و نشاط کا سماں بندھ جاتا تھا۔ ٹائپ رائٹر پر اسکی انگلیوں کا منڈلانا ستار سے زیا کیف زا معلوم ہوتا تھا۔ اس کا خداداد حسن آفس میں چاند کی چاندنی۔ پھولوں کی نکہت اور ستاروں کی مسکراہٹ بکھیر دیتا تھا۔ اسکی آمد کے ساتھ ہی ساتھیوں کے دل و دماغ رنگ ترنگ کے جلوہ زار بن جاتے تھے۔ ہر ایک شخص اسکی توجہ پر نظ بچھا دیتا تھا مگر عزیز کی ایک ایسی شخصیت تھی جو ٹس سے مس تک نہیں ہوتی تھی۔ اس کے انہماک کو ساتھیوں نے بے رخی اور بے حس پر محمول کیا۔ ناز کو ساتھیوں کی للچاہٹ اور عزیز کی لاپرواہی دونوں کا علم تھا۔ گو عزیز کی لاپرواہی سے ناز کو نفرت تھی مگر اسکی پرکشش شخصیت اور انتھک مصروفیت سے بے حد متاثر تھی دن بھر آفس میں ٹائپ رائٹر پر جل ترنگ کے نغمے چھیڑ کر وقت مقررہ پر پا کی بل کھاتی لہر کی طرح سرسراتی مسکراتی نکل جاتی تھی۔

عزیز اپنے دفتری فرائض کو انجام دینے میں کافی مسرت محسوس کرتا تھا۔ ناز کی آمد کے بعد آفس عزیز کو بھی حسن و نور کی واد معلوم ہو رہی تھی مگر اجنبیت کے احساس کو ختم کرنے کے لئے کوئی بہانہ مل نہ سکا تاہم اس نازک بدن دوشیزہ کی یاد و تصور کے ترا اسکی تنہائیوں میں گونج جاتے تھے۔ درحقیقت ناز کی ہوش ربا ہمدردی کا احساس اس وقت ہوا جب کہ عزیز کا جسم بخار سے بھن جا رہا تھا اور شدت درد سے اسکے اعضاء ٹوٹ رہے تھے گھر کے بجائے آفس کو ترجیح دیکر عزیز جیسے ہی آفس میں قدم رکھا تو اس کا جسم چور چور ہو چکا تھا سر چکرانے لگا میز پر سر دھرے گھر کی قیامت خیز مصیبتوں کے تصور میں کھو گیا۔

مزاج کیسے ہیں؟ عزیز بھائی! ناز نے بالکل سنجیدگی کے ساتھ دریافت کیا۔

عزیز نے میز سے سر اٹھا کر ایک اچٹتی نظر ناز کے دلکش چہرے پر بکھیر دی اور ایک آہ سرد کے ساتھ کہا ٹھیک ہوں،

آپ کا چہرہ بے حد مرجھایا ہوا ہے، ناز نے نین سے نین ملاتے ہوئے کہنا شروع کیا آج کون کونسے فائل نکالنے ہیں؟ لائیے۔ میرے حوالے کر دیجئے میں نکال دونگی۔ آج آپ آرام فرمائیے آپ کے مضمحل چہرے سے پوری آفس بے رونق ہو گئی ہے۔

ہاں! "افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را"۔ کہتے ہوئے عزیز نے ہمدردی کا شکریہ ادا کر کے سر پھر میز پر رکھ دیا

اور پھر گھر کی روح فرسا مصیبتوں میں کھو گیا۔

ناز چپکے سے اٹھی اور خراماں خراماں عزیز کی میز پر آئی اور ایمرجنسی فائل اپنی میز پر لے چلی اور پھرتی سے فائل نکال دینے میں مصروف ہوگئی۔ چند لمحات بھی گزرنے نہ پائے تھے۔ ناز کی توجہ دوبارہ عزیز کی بڑبڑاہٹ پر مرکوز ہوئی۔

نہیں ماں۔ قسم ہے آپ نے مجھے بالکل نہیں پہچانا .... مجھے ایسا تنگ نہ کیجئے ....

آپ کی آتش بیانی سے میری زندگی جھلس جا رہی ہے .... افوہ مجھے بے ہنگم موت کیوں نہیں آتی ....

عزیز کی بڑبڑاہٹ کے آخری جملوں سے ناز بے قرار ہوگئی اور جلدی سے کام ختم کر کے عزیز کے قریب آتے ہوئے اس نے کہا

عزیز بھائی! یہ لیجئے آپ کے تمام فائلس۔ میں نے آج کے تمام ایمرجنسی کام انجام دے دئے ہیں۔ اب آپ گھر جائیے اور آرام کیجئے،

گھر کے لفظ سے عزیز بلبلا سا گیا اور نہایت ہی نفرت آمیز لہجے میں کہا "گھر؟ ...... گھر؟ دوزخ؟ اور زندگی کی بھٹی۔ موت۔ موت۔ (پھر ہوش سنبھالتے ہوئے کہا)

معاف کیجئے۔ زحمت ہوگئی آپ کو۔

زحمت! تعجب ہے آپ زحمت سمجھ رہے ہیں اور میں نے اسے رحمت سمجھا ہے۔ آپ کی خدمت باعث رحمت نہیں تو اور کیا ہے۔

اس واقعہ کے بعد عزیز اندر ہی اندر ناز سے قریب اور قریب تر ہوتا گیا۔ عزیز ہمیشہ ہلکے ہلکے رنگ کے سوٹ سے ملبوس ہوا کرتا تھا۔ اس کے گھونگھریلے بال کی لٹ اس کی پیشانی کو بار بار چوم کر عزیز کو اور دلکش اور جاذب نظر بنا رہی تھی۔ عزیز کی سج دھج اور اسکی سحر آگیں گفتگو سے ناز بھی بے حد متاثر تھی چونکہ یہ پاس تھا اور اس سے ہم کلام ہونے میں ناز کو بھی سکون و طمانیت محسوس ہو رہی تھی اور یہ واقعہ عزیز کی زندگی کا ایک حسین موڑ بن گیا۔

عزیز کو ناز کا لچکدار بدن گلاب کی ٹہنی معلوم ہو رہا تھا اسکی آنکھیں چمکتے ستارے، ہونٹ مہکتی پنکھڑیاں، گال دہکتے گلاب بن گئے تھے زلف کی عطر آگیں لٹیں گال پر بھنورے کے مانند منڈلاتے محسوس ہو رہے تھے۔ ناز کو بھرپور نگاہ سے دیکھتے ہی بے ساختہ گنگنانے لگتا:

تو سراپا حسن ہے یا سراپا ناز ہے؟ ⁂ دل کے ارماں لوٹنے کا ایک نیا انداز ہے

ناز کی اداؤں سے عزیز کے دل کی خاموش وادیوں میں محبت کے راگ چھڑ گئے۔ اسکی خوابوں کے جھروکے ناز کی سج دھج سے بارونق ہوگئے اور اب عزیز کی تپتی زندگی پر ناز کا یہ حریری آنچل لہرانے لگا۔

پیار پرس تو نہیں ہے مرا لیکن پھر بھی
یہ بتا دے کہ تجھے پیار کروں یا نہ کروں

گنگناتے ہوئے عزیز سوچ رہا تھا کہ یہ ادھ کھلی کلی میری ویران زندگی میں ایک مہکتا ہوا شوخ پھول بن کر پتہ نہیں کیا گُل کھلائے گی اور یہ پھول ہوا کے ہلکوروں سے جھونکے کھاتا ہوا میرے دل کے ناسور کیوں چھو رہا ہے ۔

گلوں کا تبسم عنادل کے نغمے
بہار آفریں ہیں کہ غم آفریں ہیں

اچانک ناز وقت سے پہلے آفس میں داخل ہوئی اور عزیز کی میز کے قریب آنے لگی ۔ عزیز اس سرو قامت کو خراماں دیکھ کر چونک گیا اور اس کے دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز تر ہوتی گئیں ۔ تنہائی میں ناز سے محو کلام ہونا عزیز کی ایک دیرینہ خواہش تھی ۔ اس حسین آرزو کے تکمیلی اقدام کو دیکھ کر یہ مچل گیا مگر اس کے دل و دماغ میں خوف و مسرت کے طوفان اُٹھنے لگے ۔ دل کے ارمان پورے ہوتے دیکھ کر فرط مسرت سے جھوم جا رہا تھا اور ساتھ ہی اسکے جذبات میں ایک ہیجان سا پیدا ہو گیا تھا ۔

عزیز نے ناز کا مسکراہٹوں سے خیر مقدم کیا ۔ خلاف معمول وقت سے پہلے ورود کی وجہ دریافت کی ناز نے بھی تبسم ریز لہجے میں سلام کرتے ہوئے اپنی پرس سے ایک لفافہ نکال کر میز پر عزیز کے سامنے رکھ دیا ۔
عزیز اس محبت نامے کو دیکھ کر بے حد مسرور ہو گیا اور اسے پیام وصل سمجھا اور نہایت شادمانی سے مسکراتے ہوئے لفافہ کھولا ۔

نگاہ ناز سے نظر ٹکرائی تو ناز نہایت ہی سلیقہ سے جھک کر سلام کرتے ہوئے آفس کے باہر چلی گئی ۔ عزیز کی نظر چٹھی پر مرکوز ہو گئی ۔

میرے محترم !

سلام خلوص

آپ کو یہ معلوم کر کے بے حد مسرت ہو گی کہ میری زندگی کا ایک حسین موڑ آ گیا ھے جہاں میری تنہائی اور ملازمت دونوں کی قربانی دی جائے گی ۔ اُمید کہ آپ آئندہ ہفتہ غریب خانہ پر تشریف لا کر مجھے اور میرے والدین کو شکریہ کا موقع دینگے ۔

آپ کی وفاکیش

ناز

ملیالم گیت مالا (ایک نظر میں)

ملیالم دراویڈی خاندان کی ایک متمدن اور ترقی یافتہ زبان ہے جو دو کروڑ سے زاید افراد کی مادری زبان کہلاتی ہے اور اسکے بولنے والے مغربی گھاٹ کے اٹوٹ پہاڑوں اور بحر عرب کے زخار سمندر کے متلاطم موجوں کے درمیان بستے ہیں جو کیرلا کے نام سے مشہور ہے۔ کیرلا اپنی آبادی اور جغرافیائی وسعت کے لحاظ سے نمایاں تو نہیں ہے۔ مگر یہ اپنی جفاکشی، طوفانی للکار، انقلابی تحریکات اور وضع سیاست کی وجہ سے ہند اور بیرونی ہند کے سیاست دانوں کی توجہ کا مرکز ضرور بنا ہوا ہے اور یہی وہ ہندوستانی صوبہ ہے جس کے تین ہزار سالہ قدیم تجارتی تعلقات بیرونِ ہند سے ہنوز قائم ہیں۔ اِس خطۂ ارض میں ملیالم زبان ایک نامعلوم عہد سے رائج ہے جو ہندوستان کی قدیم ترین زبان ہے اس کی ہئیت اور بنیادی اصول سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ایک مستقل دراویڈی زبان ہے جو کنڑا اور تلگو کی طرح ٹمل زبان کی ایک بہن ہے مگر کسی طرح بیٹی نہیں ہو سکتی البتہ ملیالم اور ٹمل کے درمیان کنڑا اور تلگو کے مانند ایک خاص قریبی رشتہ دکھائی دیتا ہے جس سے بعض مورخینِ ادب کو دھوکہ ہو گیا ہے کہ یہ ٹمل زبان سے نکلی ہوئی ہے۔

ملیالم بذاتِ خود ایک مستقل زبان ہے اس کا قدیم ترین ادبی سرمایہ عوامی گیت کی شکل میں ملتا ہے جو بھدرا کلی پاٹو اور شاستر کلی پاٹو وغیرہ ناموں سے شہرت یافتہ ہے۔ مگر اس کا یقینی ثبوت نہیں ملتا کہ اس کی ابتداء کب سے ہوئی اور یہ مختلف عوامی گیت کس کس زمانہ کی پیداوار ہیں۔ کسی نے اس کو پانچویں صدی عیسوی کی پیداوار بتایا ہے کسی نے آٹھویں صدی سے اس کا رشتہ جوڑ دیا ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ملیالم کا حقیقی روپ ہے جس پر کسی زبان کا سایہ تک نہیں پڑا اور اس کو تاریخ ادب میں سچا ملیالم کہا گیا ہے۔ دسویں صدی عیسوی تک کے تمام عوامی گیت اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں۔

ٹمل زبان کی ادبی حیثیت ملیالم سے زیادہ قدیم اور مسلّم ہے۔ ملیالم ادب کے عہد شیر خواری میں ٹمل اد عنفوان شباب کی سرحد میں قدم رکھ چکا تھا اور چونکہ ٹمل ماحول ملیالم کا سب سے قریبی پڑوس رہا ہے۔ لہٰذا ملیالم ادب پر تقریباً پندرھویں صدی تک ٹمل ادب کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں۔

ملیالم ادب کو عام طور پر تین دور میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ابتدائی ۔ وسطی اور جدید

ابتدائی دور :- ملیالم کے ابتدائی نقوش عوامی گیت کی شکل میں ملتے ہیں۔ کچھ تو سماجی رسوم کی نشاندہی کرتے ہیں اور کچھ مذہبی رسوم و جذبات کی عکاسی۔ ان عوامی گیت کی پیدائش تاریخ پردۂ خفا میں ہے۔ البتہ لسانی خصوصیات کے پیش نظر بعض ماہرین لسانیات نے پانچویں صدی کی طرف اشارہ کیا ہے اور بعض ان گیتوں کو آٹھویں صدی

عیسوی سے منسوب کرتے ہیں۔ ان میں بعض گیت پچا ملیالم میں ملتے ہیں۔ بھدرا کلی اور شاستہ کلی پاٹو اس کے بہترین نمونے ہیں۔ بعض گیتوں پر تمل زبان کی چھاپ ہے۔ فعل کی گردان، گنتی کے الفاظ، اوزان شعر، نشست الفاظ اور قافیہ پیمائی میں بڑی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس مماثلت کے آثار پندرھویں صدی کے ادب میں بھی کچھ نہ کچھ پائے جاتے ہیں جس کا کامل ترین نمونہ راماچریتم ہے۔ اس کتاب کی تاریخ تصنیف اور مصنف کے متعلق کئی اختلافات ملتے ہیں اور اب تک اس پر حتمی فیصلہ نہیں ملتا۔ اس کتاب کے مصنف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ٹراونکور کا ایک راجہ تھا جس کو گیتوں کا شوق تھا۔ ان عوامی گیتوں کو جمع کروا کر کتابی شکل میں تقسیم کیا تھا۔ کسی کی رائے ہے کہ ملیالم کا ایک مشہور عالم ادیب اور تھا جو اپنی کسر نفسی کی وجہ اپنا نام چھپوانا پسند نہیں کرتا تھا۔ کسی کا خیال ہے کہ چیرامن تھا۔ کسی نے سری ویرا راما بتایا ہے جو ۱۱۹۶ء میں ملیبار میں حکمران تھا۔ جس طرح مصنف مختلف فیہ بنا ہے اسی طرح اس کتاب کی تاریخ تصنیف بھی مبہم ہے۔ دسویں صدی سے تیرھویں صدی تک کے مختلف اوقات بتائے گئے ہیں۔ بہر کیف اتنا تو یقینی امر ہے کہ یہ کتاب چودھویں صدی سے پہلے ہی مرتب ہو چکی تھی۔

اس کتاب میں شری راما کے جرأتمند کمالات نظمائے گئے ہیں جن میں سپاہیوں کے جذبات ابھارنے جرأت و شجاعت پیدا کرنے کے عجیب و غریب اسلوب ملتے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے عہد قدیم کے مذہبی، سماجی اور سیاسی حالات کے خاکے مل جاتے ہیں اور ملیالم ادب کی شیر خواری کے خط و خال نمایاں ہوتے ہیں۔

اسی عہد کی ایک اور کتاب بھی ملتی ہے جو چودھویں صدی کے نصف آخر اور پندرھویں صدی کے نصف اول سے متعلق ہے۔ اس کا نام کن سن پاٹو گل ہے جو اپنے عہد کی جھلکی دکھاتی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور بھی ادبی نقوش ملتے ہیں جن میں رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ ہیئت، تخیل اور روایت میں تدریجی تبدیلی نظر آتی ہے۔

اور یہ عوامی گیت عموماً قریوں کی عورتوں میں جاری ہیں۔ ان میں لوری، پہیلی اور کہانی کے علاوہ مذہبی اور غیر مذہبی گیت بھی پائے جاتے ہیں اور یہ ادبی ذخیرہ تخیل کی جادوگری سے خالی دکھائی دیتا ہے اور اس میں فن کاری کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔ سیدھا سادھا مضمون صاف اور معمولی الفاظ میں ادا کیا جاتا ہے چند غیر قانونی قافیہ اور موسیقی کے اوزان ملتے ہیں اور یہ عوامی گیت چلتے چلتے عہد وسطیٰ اور عہد جدید میں خاص ادبی اصناف بن گئے ہیں۔

ان میں بعض بہت سی دلچسپ تہنیتی گیت بھی ملتے ہیں جو شادی بیاہ کے وقت بڑے شوق سے گائے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک تالی کٹو پاٹو ہے۔ بت پرست ہندوؤں میں نائر اور ایڑواز قوموں پائی جاتی ہیں ان کے ہاں شادی کے دوران علامت نکاح کے طور پر دلھن کو گلے کا ہار پہنایا جاتا ہے جو سونا چاندی یا کسی اور دھات کا بنا ہوتا ہے۔ دلہا جب دلھن کے گلے میں یہ تالی باندھتا ہے تو سب مل کر یہ گیت گاتے ہیں اسی طرح مختلف رسوم سے متعلق چند گیت کلیا نا کالی گل کے نام سے مشہور ہیں۔

کیرلا کے عیسائیوں کی شادی کے ایک دلچسپ گیت کے متعلق کچھ لکھنا خالی از لطف نہ ہوگا۔ یہ گیت وادِل تورا پاٹو کہلاتا ہے۔ دلہا نہا دھو کر کھانے کے بعد دلہن کے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتا ہے۔ اس وقت خوشدامن دروازے کے قریب آکر یہ گیت گاتی ہے جس میں دروازہ کھولنے کی درخواست ہوتی ہے۔ مختلف ہدیہ اور تحفے کا وعدہ ہوتا ہے۔ چاہ و محبت کے طریقے دکھائے جاتے ہیں۔ برانی اس گیت کو بہت ہی اہمیت دیتے ہیں۔

کیرلا کی ایک مشہور ترین عید اونم کہلاتی ہے جو کیرلا کے قدیم ترین راجہ مہابلی کے زمانہ کی یادگار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی حکومت فارغ البالی اور مساوات کا بے نظیر نمونہ تھی۔ اس سے کئی فرضی کہانیاں منسوب ہیں۔ اس مسرت خیز حکومت کی یاد میں تین دن تک عید منائی جاتی ہے۔ اس عید میں گائے جانے والے گیت اونا پاٹو کہلاتے ہیں۔ درحقیقت یہ مختلف رسوم اور رقص و سرور کا تہوار ہے جو بجائے خود ایک تفصیل طلب موضوع ہے۔

پیاس قوم میں مرثیہ نما تعزیتی گیت کا بھی پتہ چلتا ہے جو خصوصاً والدین کے انتقال پر گایا جاتا ہے۔ اسی طرح نِروادتیرا پاٹو، کوروا پاٹو، سرپا پاٹو، پاناکلم پاٹو، کیٹوٹما پاٹو، بھدراکلی پاٹو، لوٹا پاٹو، وِلن پاٹو، منی پاٹو، وانچی پاٹو، کرشی پاٹو، سنگھاکلی پاٹو، وِڈکن پاٹو اور کارگم کلی پاٹو وغیرہ بہت سے نام ملتے ہیں جن میں علاقائی خصوصیات اور سماجی رسومات ملتے ہیں۔

کیرلا گیت ۱۱ میں موپلا پاٹو کل مسلمانوں کی دین ہے جو عربی اور ملیالم کی مربوط شکل ہے۔ یہ گیت ملیالم اور عرب ملیام دونوں رسم الخط میں شائع کئے جاتے ہیں۔ ان میں اسلامی جرأت خیز اور جذبات انگیز واقعات ملتے ہیں۔

رُباعی

جو زخم ہیں دل کے وہ سئے جاتا ہوں
زہرابِ غمِ زیست پئے جاتا ہوں
راحت کسی صورت نہیں حاصل مجھ کو
مجبور ہوں مجبور جئے جاتا ہوں

یونہی نہیں کچھ ترکِ تعلق کا خیال
دیکھا ہے یہاں دولت و ثروت کا مآل
ہے ذات کو اک اس کی بقا ورنہ یہاں
ہر چیز کو ہونا ہے اسدؔ رو بہ زوال

اسد مسوری